تاریخی روایات میں نقدِ اسناد کا معیار

ایک تجزیہ

مولانا عصمت اللہ نظامانی
متخصصِ علومِ حدیث، جامعہ

اصل موضوع شروع کرنے سے قبل بطور تمہید چند باتیں ملحوظ رہیں:

❶-اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حدیثی یا تاریخی روایات وغیرہ کی صحت وضعف معلوم کرنے اور انہیں پرکھنے کے لیے ''سند'' کو بہت اہمیت حاصل ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کا قول ہے: ''الإسناد من الدين، ولو لا الإسناد لقال من شاء ما شاء''(۱) یعنی ''اسناد دین میں سے ہے، اگر سند نہ ہوتی تو کوئی بھی شخص جو چاہتا دینی باتیں بنا کر کہہ دیتا۔'' لہٰذا جس طرح کسی حدیث کا حکم معلوم کرنے کے لیے سند کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اور محدثین کے بیان کردہ اصول وضوابط کے مطابق اس کے رواۃ کو پرکھا جاتا ہے، اسی طرح تاریخی روایت کی جانچ پڑتال کے سلسلے میں بھی سند کو مدِنظر رکھا جائے گا۔

❷-حضرات محدثین رحمہم اللہ احادیث جمع کرتے وقت اِسناد سے قطع نظر نہیں کرتے تھے، چنانچہ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ جہاں تک ہوسکے اعلیٰ اور عمدہ سند ذکر کریں، جبکہ مؤرخین کے مدّنظر عام طور پر تاریخی روایات کو جمع کرنا تھا، خواہ سند یا متن کے اعتبار سے وہ کمزور ہی کیوں نہ ہوں، جیسا کہ علامہ طبریؒ کی مندرجہ ذیل عبارت سے یہ بات معلوم ہورہی ہے:

> ''فما يكن في كتابي هٰذا من خبر ذكرناه عن بعض الماضين مما يستنكره قارئه أو يستشنعه سامعه من أجل أنه لم يعرف له وجهًا في الصحة ولا معنى في الحقيقة، فليعلم أنه لم يؤت في ذلك من قبلنا وإنما أتي من قبل بعض ناقليه إلينا، وأنا إنما أدّينا ذلك على نحو ما أدي إلينا.''(۲)

یعنی ''جو خبر ہم نے اس کتاب میں گزشتہ لوگوں کے بارے میں لکھی ہے، جسے پڑھنے والا عجیب جانے، یا سننے والا ناپسند کرے؛ کیونکہ اس کو اس خبر کا صحیح مفہوم یا حقیقی معنی معلوم نہ ہوسکا تو واضح رہے کہ اس میں کوئی بات اپنی جانب سے نہیں لائی گئی، بلکہ یہ نقل کرنے والوں میں سے

کسی کی طرف سے آئی ہے، ہم نے اس خبر کو اسی طرح پہنچایا ہے جس طرح اس نے ہم تک پہنچائی۔‘‘

معلوم ہوا کہ احادیث مبارکہ کی طرح تاریخی روایات جمع کرتے وقت ان کی اِسنادی حیثیت پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی، لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ تاریخی روایات پر عمل کرنے کے لیے اسناد اور رواۃ سے اسی طرح بحث کی جائے گی جس طرح احادیث کے سلسلے میں بحث کی جاتی ہے، اور تاریخی روایات پرکھنے کے لیے بھی علم جرح وتعدیل پر عمل کیا جائے گا تو یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا، جیسا کہ مشہور محقق علامہ معلمی یمانیؒ فرماتے ہیں:

’’على أن حاجة التاريخ إلى معرفة أحوال ناقلي الوقائع التاريخية أشدّ من حاجة الحديث إلى ذلك، فإن الكذب والتساهل في التاريخ أكثر.‘‘(۳)

یعنی ’’تاریخی واقعات نقل کرنے والوں کے احوال جاننے کی طرف تاریخ کی ضرورت اور حاجت زیادہ ہے بنسبت حدیث کے؛ کیونکہ جھوٹ اور تساہل تاریخ میں زیادہ ہے۔‘‘

مذکورہ تمہید کے بعد اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ تاریخی روایات جانچنے کے سلسلے میں علم جرح وتعدیل کی اہمیت مسلّم وقابلِ قبول ہونے کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کسی تاریخی واقعہ کی صحت پرکھنے کے لیے علم جرح وتعدیل کے وہی اصول جاری نہیں کیے جائیں گے، جن سے کسی حدیث کی صحت اور ضعف کو پرکھا جاتا ہے، بلکہ دیکھا جائے گا کہ وہ تاریخی روایت کس قسم کی ہے، اگر وہ عقائد، احکامِ شرعیہ یا کسی معزز شخص پر طعن وتنقید وغیرہ پر مشتمل نہ ہو تو اس صورت میں ایسی تاریخی روایات پرکھنے میں زیادہ شدت اور سختی نہیں کی جائے گی، جس کی وجوہات اور دلائل حسبِ ذیل ہیں:

اولاً: بخاری شریف وغیرہ کی حدیث میں ہے:

’’وحدّثوا عن بني إسرائيل ولا حرج.‘‘ (۴)

ترجمہ: ’’بنی اسرائیل سے روایت بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں۔‘‘

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اجازت دی ہے کہ بنی اسرائیل سے روایات بیان کی جائے، اور ظاہر ہے کہ یہ روایت ان افراد کو شامل ہے جو اہل کتاب ہیں اور مشرف بہ اسلام نہیں ہیں، تو معلوم ہوا کہ واقعات اور تاریخی باتیں وغیرہ بیان کرنے والا مسلمان نہ ہو، تب بھی اس کی باتیں دوسروں کو بیان کی جاسکتی ہیں، برخلاف احادیث کے، کیونکہ احادیث قبول کرنے کے سلسلے میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ راوی مسلمان ہو۔ نیز اہلِ کتاب وغیرہ سے ایسی باتیں اور روایتیں ہی لے سکتے ہیں جن کا تعلق عقائد واحکام وغیرہ سے نہ ہو، چنانچہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ صنعانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

’’(وحدّثوا عن بني إسرائيل) أي أرووا عنهم ما وقع لهم من الأعاجيب

وإن استحال مثلها في هٰذه الأمة كنزول النار من السماء لأكل القربان ولو كان بغير سند، لبعد الزمان، بخلاف الأحاديث المحمدية.‘‘ (۵)

یعنی ’’ان سے ایسی عجیب باتیں روایت کرو جوان کو پیش آئی تھی، اگر چہ اس امت میں اس جیسے واقعات بظاہر محال ہوں، مثلاً: قربانی کھانے کے لیے آسمان سے آگ کا اُترنا، طویل زمانہ گزرنے کی وجہ سے اگر چہ بغیر سند کے ہی کیوں نہ ہو، برخلاف نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ کے۔‘‘

اور علامہ مناویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

’’(حدّثوا عن بني إسرائيل) أي بلّغوا عنهم القصص والمواعظ ونحو ذٰلك (ولا حرج) عليكم في التحديث عنهم ولو بلا سند.‘‘ (۶)

یعنی ’’بنی اسرائیل سے قصے اور وعظ ونصیحت سے متعلق باتیں بیان کرو، اور ان سے روایات بیان کرنے کے سلسلے میں تم پر کوئی حرج نہیں، اگر چہ بغیر سند کے ہو۔‘‘

اس حدیث پر اعتراض ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سے روایات لینا اور انہیں آگے بیان کرنا درست ہے، جبکہ بعض احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سے روایت لینا یا ان کی دینی کتابیں پڑھنا ممنوع ہے، تو اس کے جواب میں علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں باتوں کے درمیاں کوئی تضاد نہیں، کیونکہ:

’’أراد هنا التحديث بقصصهم نحو قتل أنفسهم لتوبتهم وبالنهي العمل بالأحكام.‘‘(۷)

یعنی ’’اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے قصے وغیرہ بیان کرنا، جیسے توبہ کرنے کے لیے اپنی جانوں کو قتل کرنا، اور ممانعت سے مراد یہ ہے کہ ان کے احکام پر عمل کرنا۔‘‘

اور شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

’’أشار إلى أن المراد التحدّث بالقصص والمواعظ والحكم والأمثال دون الشرائع والأحكام لنسخها ووقوع التحريف فيها.‘‘(۸)

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے قصے، وعظ ونصیحت اور حکمت وغیرہ سے متعلق باتیں بیان کی جائیں، نہ کہ شرعی احکام سے متعلق روایات، کیونکہ وہ منسوخ ہیں، اور ان میں تحریف واقع ہو چکی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ تاریخی روایات پرکھنے کے سلسلے میں علم جرح وتعدیل پر اس طرح عمل نہیں کیا جائے گا، جس طرح احادیث کی صحت وضعف معلوم کرنے کے لیے ان کی اسناد و رُوات

کو پرکھا جاتا ہے، بلکہ جو تاریخی روایت کسی عقیدہ یا شرعی حکم وغیرہ سے متعلق نہ ہو، اس میں نقدِ سند کے سلسلے میں زیادہ شدت نہیں کی جائے گی۔

ثانیاً: حضرات محدثین رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے کہ احادیث کا درجہ معلوم کرنے کے سلسلے میں بھی علمِ جرح وتعدیل کے اصول کا یکساں طور پر لحاظ نہیں رکھا جائے گا، بلکہ جو احادیث عقائد وفقہی احکام وغیرہ سے متعلق ہوں، ان میں دقتِ نظر اور سختی سے ان اصول کی رعایت کی جائے گی، اور جن احادیث کا تعلق فضائل ومناقب وغیرہ سے ہو، ان میں تساہل کا معاملہ ہوگا، جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے:

’’إذا روينا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الحلال والحرام والسنن والأحكام تشدّدنا في الأسانيد، وإذا روينا عن النبي صلى الله عليه وسلم في فضائل الأعمال وما لا يضع حكمًا ولا يرفعهٗ تساهلنا في الأسانيد.‘‘(۹)

ترجمہ: ’’جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب روایت بیان کرتے ہیں جو حلال وحرام یا سُنن واحکامِ شرعیہ سے متعلق ہو تو ہم اسناد میں سختی کرتے ہیں، اور جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ایسی روایت بیان کرتے ہیں جو فضائلِ اعمال سے متعلق ہے، اور کسی حکم کو منسوخ وغیرہ نہیں کرتی تو ہم نقدِ اسناد میں چشم پوشی کرتے ہیں۔‘‘

اور مشہور محدث عبدالرحمٰن بن مہدیؒ فرماتے ہیں:

’’إذا روينا في الثواب والعقاب وفضائل الأعمال، تساهلنا في الأسانيد والرجال، وإذا روينا في الحلال والحرام والأحكام تشدّدنا في الرجال.‘‘(۱۰)

یعنی ’’جب ہم ثواب وعقاب اور فضائلِ اعمال کے بارے میں حدیث روایت کرتے تو اسناد اور رواۃ پرکھنے میں تساہل سے کام لیتے، اور جب حلال وحرام اور احکامِ شرعیہ سے متعلق حدیث روایت کرتے، نقدِ رُواۃ میں سختی سے کام لیتے۔‘‘

لہٰذا جب فضائل وغیرہ سے متعلق احادیث کے سلسلے میں اصولِ جرح وتعدیل پر سختی سے عمل نہیں کیا جاتا، اور ایسی روایات پرکھنے اور قبول کرنے کے سلسلے میں حضرات محدثین تساہل ونرمی کا کہہ رہے ہیں تو ایسی تاریخی روایات جو عقائد وفقہی احکام وغیرہ سے متعلق نہیں، ان میں بطریقِ اولیٰ تساہل سے کام لیا جائے گا، اور نقدِ اسناد میں زیادہ سختی نہیں کی جائے گی۔

ثالثاً: حضرات محدثین رحمہم اللہ نے متعدد راویوں کے بارے میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ ان کی بیان کردہ حدیث قابلِ قبول نہیں ہوگی، البتہ ان کی ذکر کردہ تاریخی روایات معتبر ہوں، یعنی روایتِ حدیث میں تو جرح کرکے ان کو ساقط الاعتبار کہا جاتا ہے، لیکن روایتِ تاریخ میں انہیں معتبر وقابلِ احتجاج قرار دیتے

ہیں، چنانچہ حدیث وتاریخ کے ایک راوی سیف بن عمر تمیمی کے بارے میں علامہ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں:

''سيف ابن عمر التميمي . . . ضعيف [في] الحديث، عمدة في التاريخ.'' (۱۱)

یعنی ''سیف بن عمر تمیمی حدیث میں ضعیف ہے، اور تاریخ میں قابلِ اعتماد ہے۔''

اسی طرح تاریخ کے مشہور راوی ''واقدی'' کے بارے میں علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

''وقد تقرّر أن الواقدي ضعيف، يحتاج إليه في الغزوات والتاريخ، . . . أما في الفرائض، فلا ينبغي أن يذكر.''(۱۲)

ترجمہ: ''یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ واقدی ضعیف ہے، غزوات اور تاریخ میں وہ قابلِ احتجاج ہوگا...... فرائض واحکام کی احادیث میں اس کو ذکر کرنا مناسب نہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ایک راوی حدیث بیان کرنے کے اعتبار سے ضعیف ہوگا، لیکن تاریخی روایات میں معتبر وقوی ہوگا، تو واضح ہوا کہ تاریخی روایات پرکھنے کے لیے ان کے راویوں پر بعینہٖ وہی اصول وضوابط جاری نہیں ہوں گے، جو احادیث کی صحت وضعف جاننے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

رابعاً: اہلِ علم کی ایک جماعت نے بھی اس بات کی تصریح کی ہے کہ تاریخی روایات پر نقد کرنے اور ان کی اسنادی حیثیت وغیرہ جانچنے کے سلسلے میں نرمی اور کچھ تساہل سے کام لیا جائے گا، زیادہ شدت اختیار نہیں کی جائے گی، جبکہ ایسی تاریخی روایات سے کوئی عقیدہ یا فقہی حکم بھی ثابت نہیں ہوتا، چنانچہ علامہ کافیجیؒ (ت:۸۷۹) فرماتے ہیں:

''فإن قلت: فهل يجوز لهٗ أن يروي في تاريخه قولاً ضعيفاً؟ قلت: نعم، يجوز لهٗ ذٰلك في باب الترغيب والترهيب والاعتبار مع التنبيه على ضعفه، لكن لا يجوز ذٰلك في ذات البارئ عزّ وجل وفي صفاته، ولا في الأحكام.''(۱۳)

ترجمہ: ''اگر تم دریافت کرو کہ کیا تاریخ میں ضعیف قول روایت کرنا جائز ہے؟ تو میں جواب دوں گا کہ ہاں! ترغیب وترہیب یعنی اچھی باتوں کی طرف راغب کرنے اور برے امور سے ڈرانے وغیرہ سے متعلق جائز ہے، اس کے ضعف پر تنبیہ کرنے کے ساتھ، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات یعنی عقائد اور احکام میں جائز نہیں۔''

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ذکرکردہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جو تاریخی روایات کسی عقیدہ یا شرعی حکم یا مسلماتِ دین وغیرہ سے متعلق نہ ہوں، انہیں جانچنے اور پرکھنے کے لیے علم جرح وتعدیل پر اس طرح عمل نہیں کیا جائے گا، جس طرح احادیث کی صحت وضعف معلوم کرنے کے لیے ان کی اسناد وُرواۃ کو پرکھا جاتا ہے، کیونکہ اگر ایسی تاریخی روایات کے سلسلے میں بھی انہی اصولِ جرح وتعدیل کی رعایت رکھی جائے گی تو

تاریخ کا ایک بہت بڑا حصہ نا قابلِ اعتبار ہوگا، چنانچہ معروف مؤلف اکرم ضیاء عمری رقم طراز ہیں:

’’أما اشتراط الصحة الحديثية في قبول الأخبار التاريخية التي لا تمسّ العقيدة والشريعة ففيه تعسّف كثير، والخطر الناجم عنه كبير؛ لأن الروايات التاريخية التي دوّنها أسلافنا المؤرخون لم تعامل معاملة الأحاديث، بل تمّ التساهل فيها، وإذا رفضنا منهجهم، فإن الحلقات الفارغة في تاريخنا ستشكل هوّة سحيقة بيننا و بين ماضينا مما يولد الحيرة والضياع والتمزّق والانقطاع.‘‘(۱۴)

یعنی ’’جو تاریخی روایات عقائد وشرعی احکام سے متعلق نہیں، انہیں قبول کرنے کے سلسلے میں احادیث کی صحت والی شرط لگانے میں بہت تکلف ہے، اور اس سے پیدا ہونے والا خطرہ بہت بڑا ہے؛ کیونکہ ہمارے اسلاف نے جن تاریخی روایات کی تدوین کی ہے، ان میں احادیث کا سا معاملہ نہیں کیا، بلکہ اس میں تساہل اور نرمی برتی ہے، تو اگر ہم ان کے اسلوب ومنہج کو چھوڑ دیں گے تو ہماری تاریخ میں خالی حلقے اور جگہیں پیدا ہوں گی، جو ہم اور ہمارے ماضی میں ایسی صورت پیدا کریں گی، جس سے تاریخ میں حیرت، ضیاع اور انقطاع پیدا ہوگا۔‘‘

حوالہ جات

١- صحيح مسلم، مقدمة (١٥/ ١)، دار إحياء التراث العربي- بيروت

٢- تاريخ الملوك والأمم للطبري، (١٣/ ١)، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، ط: ١٤٠٧ه

٣- علم الرجال وأهميته للمعلمي، (ص:٩١)، الناشر: دار الراية- الرياض، ط: ١٤١٧ه

٤- صحيح البخاري، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، رقم: ٣٤٦١، (١٧٠/ ٤)، الناشر: دار طوق النجاة، ط:١٤٢٢ه

٥- التنوير شرح الجامع الصغير للأمير الصنعاني(٥٦٠/ ٤)، الناشر: مكتبة دار السلام- الرياض، ط: ١٤٣٢ه- ٢٠١١م

٦- التيسير بشرح الجامع الصغير للمناوي، (٤٩٥/ ١)، الناشر: مكتبة الإمام الشافعي- الرياض، ط: ١٤٠٨ه- ١٩٨٨م

٧- فيض القدير للمناوي، (٢٧٠/ ٣)، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت

٨- لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح للدهلوي، (٥٢٠/ ١)، الناشر: دار النوادر- دمشق، ط: ١٤٣٥ه- ٢٠١٤م

٩- الكفاية في علم الرواية للخطيب البغدادي، باب التشدد في أحاديث الأحكام، (ص: ١٣٤)، الناشر: المكتبة العلمية- المدينة المنورة

١٠- الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب، بحث: تجنب الرواية عن الضعفاء، (٩٢/ ٢)، الناشر: مكتبة المعارف- الرياض

١١- تقريب التهذيب لابن حجر، (ص: ٢٦٢)، رقم: ٢٧٢٤، الناشر: دار الرشيد- سوريا، ط: ١٤٠٦ه- ١٩٨٦م

١٢- سير أعلام النبلاء للذهبي، (٤٦٩/ ٩)، الناشر: مؤسسة الرسالة- بيروت، ط: ١٤٠٥ه- ١٩٨٥م

١٣- المختصر في علم التاريخ للكافيجي، (ص: ٧١)، الناشر: عالم الكتب- بيروت، ط:١٤١٠ه- ١٩٩٠م

١٤- دراسات تاريخية لأكرم ضياء العمري، (ص:٢٧)، الناشر: إحياء التراث العلمي-المدينة المنورة، ط:١٤٠٣ه- ١٩٨٣م